الاحکام السلطانیہ

خالد محمد اسحاق

تلخیص و ترتیب : محمد خالد مسعود

'' الاحکام السلطانیہ '' '' احکام '' اور '' سلطانیہ '' سے مرکب ہے - '' احکام '' '' حکم '' کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں '' روکنا '' ، '' منع کرنا '' - عام استعمال میں اس کے معنی '' فیصلہ '' ، '' قانون '' '' ضابطہ '' ، '' امر '' اور '' آئین '' کے ہوجاتے ہیں (۱) - (حکومۃ اور تحکیم اسی کے مشتقات ہیں) - فقہ اسلامی میں '' حکم '' کا اطلاق '' اوامر و نواہی '' اور ''ضوابط'' پر ہوتا ہے - دوسرا حصہ ''سلطانیہ'' سلط سے مشتق ہے - ''سلطان'' کے معنی '' غلبہ و اقتدار '' کے آتے ہیں - چنانچہ الاحکام السلطانیہ سے مراد وہ قوانین ہیں جن کو اقتدار اعلیٰ کی تائید حاصل ہو -

فقہا اور اصولئین نے اس اصطلاح کو اسلامی معاشرت کے ''سیاسی انتظامات''* کے تینوں پہلوؤں، مقننہ ، عدلیہ اور انتظامیہ کے لئے استعمال کیا ہے - در حقیقت اس وقت تک ان کی واضح حد بندی اور تعریف کا تصور موجود نہیں تھا - اسی لئے ایسے مسائل مثلاً اقتدار اعلیٰ کس کو حاصل ہے ؟ '' ریاست کس کو کہتے ہیں''؟- اور جنہیں آج اساسی سمجھا جاتا ہے ، ان کے دائرۂ بحث میں نہیں آتے

---

* '' اسلامی ریاست '' کی بجائے '' اسلامی معاشرت کے سیاسی انتظامات '' کی اصطلاح یہاں زیادہ بہتر ہوگی - کیونکہ قرون وسطی کے اس دور کے لئے ریاست (State) کا لفظ موزوں نہیں - ریاست اپنے مخصوص معنی اور جدید مفاہیم کے ساتھ بولا جاتا ہے تو اس سے اس دور کو سمجھنے میں بہت سی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں - واضح رہے کہ جس طرح گذشتہ دو صدیوں سے یہ اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں اور دستوری مسائل زیر بحث آرہے ہیں، اس کا تصور قرون وسطیٰ کے سیاق میں کرنا کسی طرح بھی درست نہیں -

تھے (۲) - تاھم اسے نظام فکر کی خامی پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقۃ انھیں کبھی ان مباحث کی ضرورت ھی پیش نہیں آئی تھی - خود مغربی نظام فکر میں بھی یہ مباحث دور جدید کے ساتھ آئے *

مغرب میں متقدمین کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ ''بنی نوع انسان ایک وحدت ھیں، پوپ اور شہنشاہ اس کے سربراہ ھیں اور عالمگیر کلیسا اور عالمی شہنشاہ دنیا پر حکومت کرتے ھیں (۳)- عالمی فرمانروا کے زوال پر خود مختار حکومتیں ابھریں تو اقتدار اعلیٰ کے نظریے میں تبدیلی آگئی، اسی طرح کلیسا کا اقتدار کمزور ھوا اور حکومت کو قانون خداوندی کا مظہر سمجھنے کا ھمہ گیر عقیدہ کمزور پڑ گیا تو سیاسی اقتدار کے صحیح مقاصد کے بارے میں نئے نظریات سامنے آئے -

تحریک اصلاح کلیسا نے یورپ میں پاپائیت کے قصر اقتدار کو منہدم کردیا لیکن اس نظام فکر کا یہ عقیدہ کہ کلیسا سے کوئی خطا نہیں ھوسکتی (عصمت کلیسا) دوسری شکل میں ظاھر ھوا۔ اب عالمگیر کلیسا اور عالمگیر شہنشاہ کی جگہ '' بادشاہ کے حقوق آسمانی '' نے آھستہ آھستہ لے لی - صلیبی جنگوں کے دوران مغرب کا مشرق سے تصادم ھوا ، سپین کے ذریعے مسلم تہذیب و دانش کے اثرات یورپ میں پہنچے۔ان اثرات کے نتیجہ میں یورپ میں بیداری آئی لیکن صنعتی انقلاب سے اس کی رفتار میں ایک دم تیزی آگئی اور سیاسی، سماجی اور ذھنی

---

* پروفیسر فریڈرک، تھامس ایکویناس کے فلسفہ قانون پر بحث کرتے ھوئے لکھتے ھیں :

'' اکویناس نے '' سیاسی نظام '' کے ایجابی، تعمیری اور تخلیقی کردار پر زور دیا - میں '' ریاست '' کی جگہ '' سیاسی نظام '' کے الفاظ عمداً استعمال کر رھا ھوں - کیونکہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ھے کہ قرون وسطیٰ کی حکومتوں کو '' ریاست '' کہنے کی عادت محض مغالطہ ھے اور کسی طرح بھی مبنی بر حقیقت نہیں - قرون وسطیٰ کے نظام فکر میں شہزادوں، امیروں، حکم اور حکومت کے لئے تو جگہ تھی اور یہ سیاسی مباحث کا موضوع بھی تھے لیکن جس طرح جدید ریاست میں قانون سازی کے لا محدود اختیارات مرکز کو حاصل ھوتے ھیں، قرون وسطیٰ کا فطری قانون (Natural Law) کسی شہزادے کو یہ مراعات دینے کے لئے تیار نہیں تھا - ''

(The philosophy of Law in Historical perspective (Chicago) p.43)

غرض ہر شعبۂ حیات میں عظیم تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ساری زندگی کی کایا پلٹ ہوگئی۔ عرصے سے قائم شدہ ادارے، اور سیاسی اوضاع و اطوار ایک ہی دھچکے میں نیچے آرہے۔

بادشاہوں کے ''حقوق آسمانی'' دیرپا ثابت نہ ہوئے۔ جمہور کے سماجی اقتدار سے کلیسا، جاگیرداروں اور ان کے سربراہ بادشاہ کی قوت کمزور ہوگئی۔ سیاسی نظریات نئے تقاضوں میں ڈھل گئے اور قانون سازی اور ٹیکس لگانے کے اختیارات جو پہلے یورپ بھر میں پارلمینٹ میں معاشرے کے چیدہ افراد کو ملے، بتدریج ''عوام'' کے ہاتھ میں آتے گئے۔ جمہوریت کی اصطلاح یورپ میں زبان زد عام ہوگئی۔ اور مشرق و مغرب میں ہر جگہ نئی حکومتوں کے دستور کی اساس یہی اصطلاح قرار پائی۔ (۴)

ہم ابھی دیکھیں گے کہ جہاں تک سیاسی اداروں کا تعلق ہے، تاریخ کی رفتار اور تغیر و تبدل کی ہواؤں نے مسلم نظریہ سیاست پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ مسلمان مفکروں نے اس نظریے کو ترقی دی اور وقتاً فوقتاً اس میں اضافے اور کمی کرکے اس میں ترمیمیں بھی کیں۔ اور یہ محض اس لئے نہیں کہ وہ کسی امر واقعی سیاسی صورت‌حال کے لئے مقبولیت یا جواز فراہم کریں۔ لیکن اس سے کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سب کچھ ایک صحیح نظریے کو جان بوجھ کر توڑنا موڑنا تھا تاکہ وہ کسی مخصوص دور کی سیاسیات سے ہم آہنگ ہوسکے۔ بلکہ اس سے زیادہ یہ سنجیدہ مفکروں کی ایک مخلصانہ کوشش تھی کہ امت کو جو سیاسی حاکمیت حاصل ہے اور جو ارشادات نبوی کی رو سے مجموعی طور پر معصوم عن الخطا ہے۔ اور اگرچہ اس کے خلافت راشدہ کے نمونے کے کوئی ادارے نہیں رہے۔ اس سیاسی حاکمیت کا کوئی عقلی اساس ڈھونڈیں، اور یہ کہ امت کی یہ سیاسی حاکمیت دنیا کی دوسری حکومتوں کے مقابلے میں اب بھی کافی فوقیت رکھتی ہے۔

امامت کے نظریے کی ابتدا کا مسئلہ اس کی ایک اچھی مثال ہے۔

خلافة و امامة

آغاز اسلام کے تاریخی واقعات سے، جن پر مابعد کے سیاسی نظریات کی بنیاد رکھی گئی، ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء کو صلح و جنگ میں وسیع اختیارات حاصل

تھے، نصوص قرآنی اور سنت نبوی کی تعبیر و تشریح میں آخری فیصلہ انہی کا ہوتا تھا (۵)، نماز کی امامت و اقامت ان کا حق بلکہ فرض تھا، تنازعات کے فیصلے ان کو کرنے ہوتے تھے، مختصراً قانون سازی، عدلیہ، انتظامیہ اور عسکری تمام اختیارات انہی کو حاصل تھے۔ قاضی، امیر عسکر اور والیان کو اختیارات خلیفہ تفویض کرتا تھا، جس کو خلیفہ اختیار تفویض نہ کرے اس کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا تھا ۔

در حقیقت پہلے خلفاء (خلافت معاویہ رض تک) اپنی ممتاز سیرت، کردار، لیاقت، شجاعت اور دور اندیشی کی بنا پر امت میں ممتاز مقام رکھتے تھے ، اس لئے خلافت کو بھی امتیازی حیثیت حاصل رہی اور یہ سب خصوصیات خلافت کے لوازمات سمجھی جانے لگیں ۔ لیکن بعد کو جب ان سے کمزور تر شخصیات برسر خلافت آئیں تو خلافت کے شرائط طے کرنے کا مسئلہ بھی سنجیدہ غور و فکر کا موضوع بنا۔ ابتدا میں اسلام، بلوغت، حریت، عقل، علم و فضل اور عدالت خلافت کی لازمی شرائط تھیں۔ ان کے علاوہ احکام الہی کی اطاعت و نفاذ کی قوت، اور جہاں قرآن و سنت سے واضح رہنمائی نہ ملتی ہو، وہاں اجتہاد اور قانون سازی کی اہلیت بھی خلافت کے لئے لابدی شرط سمجھی جاتی تھی ۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں تاریخ اسلام کا پہلا انتخاب عمل میں آیا تو اس میں ایک اور امر بھی زیر غور رکھا گیا ۔ وہ یہ کہ خلیفہ قریش سے ہونا چاہئے کیونکہ یہ محض قریش ہی تھے، جو رسول اللہ کا قبیلہ بھی تھے اور عرب ان کی سیادت کو فطری طور پر تسلیم بھی کرتے تھے (٦) ۔ اس وقت بعض لوگوں نے حضرت علی رض کا نام بھی تجویز کیا ۔ یہ لوگ رسول اللہ سے قرابت، خلافت کے لئے ضروری سمجھتے تھے، اگرچہ اس وقت یہ بات صراحت سے کہی نہیں گئی لیکن بعد میں یہی امر شیعہ نظریۂ امامت کی بنیاد بنا ۔ اس کے ساتھ ساتھ بعد میں خوارج نے ان دونوں نظریات سے انکار کرکے تیسرا پہلو اختیار کیا۔ ان کے نزدیک خلافت دو طرفہ عقد ہے ایک طرف بیعت ہے جو لوگ خلیفہ کی اطاعت کے لئے کرتے ہیں ۔ دوسری جانب میثاق ہے جو خلیفہ قرآن و سنت کی متابعت کے لئے کرتا ہے (۷) ۔

اجتہاد کی اہلیت بھی خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت تھی، لیکن اموی دور میں اس کا فقدان ہوگیا - تو نظریہٗ خلافت میں اس کی حیثیت اساسی نہ رہی۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں :

> اگر کوئی ملت پر تلوار کے زور سے غالب آجائے اور امیرالمؤمنین کہلانے لگے، تو اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ، کسی طرح جائز نہیں کہ وہ ایک رات بھی کسی کو امام مانے بغیر بسر کرے، امام خواہ متقی ہو یا فاسق -

ابو یعلی الفرا اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ” اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت اور علم و فضل خلافت کی لازمی شرائط میں سے نہیں (۸) - حتیٰ کہ شارب الخمر کو بھی رعایت دی گئی - اکثر عباسی خلفا (مثلاً امام احمد بن حنبل کے نزدیک المعتصم اور المتوکل) خلافت کے شرائط پر بالکل پورے نہیں اترتے تھے، لیکن بایں ہمہ وہ خلیفہ تھے - یہی وجہ تھی کہ نظریہٗ خلافت میں مستقلاً ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی -

انعقاد خلافت

خلافت راشدہ کے دوران انعقاد خلافت کے صرف دو طریقے تھے۔ انتخاب یا نامزدگی اور دونوں میں اُمت کی رضامندی مضمر تھی - اسی کی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن زبیر نے یزید کی نامزدگی کی مخالفت کی (۹) - لیکن چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے قبل ہی استیلاءٗ (قوت کے بل پر اقتدار حاصل کرلینا) کا طریقہ سیاسی نظریات میں معروف ہوچکا تھا، جیسا کہ امام ابن حنبل کے گذشتہ قول سے ظاہر ہوتا ہے -

الماوردی (جو ابو یعلی الفرا کے ہم عصر ہیں) کی کتاب الاحکام السلطانیہ کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ سیاسی نظریات، سیاسی واقعات و حالات سے کس قدر متاثر ہوتے تھے۔ خلافت جو اوائل میں امت اور اقتدار کے مابین ایک عقد کی حیثیت رکھتی تھی، بعد کی صدیوں میں اس سے قطعی مختلف ہوگئی - روزمرہ کے حقائق سے یہ نظریات کس طرح متاثر ہوتے ہیں اس کا اندازہ امام غزالی کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوگا -

ایک فاسق اور جابر سلطان، جب تک اسے عسکری قوت کی اتنی حمایت حاصل ہے کہ اسے تخت سے اتارنا محال ہو، اور اس کے اتارنے کی کوشش سے خانہ جنگی کا خطرہ ہو، ضرورت حالات کے پیش نظر اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہنے دیاجائے اور اس کی بیعت سمع و طاعت کرلی جائے، جیسا کہ عموماً امرا کی بیعت کی جاتی ہے۔

ان دنوں تو یہ حال ہے کہ حکومت کلیۃً فوجی طاقت کا ثمرہ بن گئی ہے، کوئی شخص خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا ہو، اگر فوج اس کی اطاعت کی بیعت کرلیتی ہے، سلطان بن جاتا ہے۔ جو کوئی بھی اپنے اختیارات کو خود مختارانہ استعمال کرتا ہے، جب تک وہ خلیفہ کے بعض خصوصی معاملات مثلاً خطبہ و سکہ وغیرہ میں اطاعت کا دم بھرتا ہے۔ وہ سلطان ہے اور اس کے احکام اور فیصلے روئے زمین کے مختلف حصوں پر نافذ ہوتے ہیں (١٠)۔

مصر کے قاضی القضاۃ قاضی بدرالدین ابن جماعہ لکھتے ہیں:

جہاں تک تیسرے طریقہ (استیلاء) کا تعلق ہے۔ اگر قوت کے بل پر اطاعت کا حلف اٹھوایا جائے، یہ اس وقت ہوگا جب کہ ایک شخص جس کو فوجی قوت حاصل ہو وہ جبراً اپنے اختیارات کا نفاذ کرے۔

اگر منصب امامت خالی ہو اور ایک شخص جو کسی طرح بھی اس کے اہل نہیں، اس کے لئے کوشش کرے اور لوگوں کو اپنی قوت اور فوج کے ذریعے اپنی بیعت پر مجبور کرے (خواہ اس کے پیشرو نے اس کی نامزدگی نہ کی ہو) تو اس کی بیعت منعقد ہوگی اور اس کی اطاعت لازمی ہوگی تاکہ امت مسلمہ کی وحدت برقرار رہے (١١)۔

امام ابن تیمیہ تک آتے آتے نظریۂ خلافت کی صورت یہ ہوگئی کہ:

اہل السنۃ، امام کے ہر حکم کی اطاعت کو شرعی نہیں مانتے بلکہ وہ صرف انہیں امور میں اس کی اطاعت کو شرعی حیثیت دیتے

ہیں جن میں وہ شریعت کی اطاعت کر رہا ہو یا جن سے اقامت شریعت ہوتی ہو ۔ اسی لئے وہ ایسی اطاعت کو جائز نہیں سمجھتے جس میں معصیت خالق ہوتی ہو ۔ اگر امام عادل ہے اور ان کو صوم و صلاۃ حج و جہاد اور عدل کے قیام کا حکم دیتا ہے، تو یہ اطاعت الٰہی ہے اسی طرح اگر ایک فاسق و کافر بھی ان امور کا حکم دیتا ہے تو اس کے فسق و فجور سے یہ امور غیر شرعی نہیں ہو سکتے اور ان کی اطاعت ناجائز نہیں ہوسکتی (۱۲) ۔

صاف ظاہر ہے کہ امام ابن تیمیہ نے یہ جو نظریہ پیش کیا ہے ، اس سے آن کی غرض اپنے ان سنی پیش رؤں اور معاصرین کی اس الجھن سے بچنا ہے جو امامت کے تصور کی نظریاتی اہمیت اور زمانے کے حقائق واقعی کے درمیان کسی حد تک مطابقت پیدا کرنے کے لئے امامت کی شرائط میں سے ایک ایک شرط برابر کم کرتے جارہے تھے۔ امام ابن تیمیہ خلیفہ کے اس پورے تصور کو نظر انداز کرکے شریعت کی اولیت پر زور دیتے ہیں اور اس طرح وہ شریعت کی صحیح حیثیت کو اس کی مناسب اہمیت عطا کرتے ہیں ۔ موجودہ بحث میں اصل اہم بات یہ ہے کہ ہر مفکر نے اپنے سیاسی نظریے میں اپنے زمانے کے سیاسی حالات کا لحاظ رکھا اور ان کی رعایت کی ہے ۔

ان نظریات پر یونان و ایران کے فلسفوں اور نظریات کا بھی اثر پڑا ۔ اور ایران کے ’’ حقوق آسانی ‘‘ کے نظریے نے بھی جگہ پائی ۔ لیکن اس امتزاج کا واضح اظہار سب سے پہلے ’’ اخلاق جلالی ‘‘ میں ہوا ۔ انہوں نے لکھا کہ اقتدار نعمت الہی ہے جو چیدہ افراد کو عطا ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس شخص کی حکومت ، جو لوگوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا اور ان کی دنیاوی اور روحانی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کرتا ہے ، خلافت کہلانے کی مستحق ہے ۔ (۱۳)

شیعہ نظریۂ امامت

سنی نظریۂ خلافت کے مقابلے میں شیعہ نظریۂ امامت میں ترمیم بہت کم ہوئی ہے ۔ شیعوں کے نزدیک ایمان کی اصل اور اسلام کی اساس امام ہے ۔ اس

منصب کی حیثیت اور نوعیت کے پیش نظر اس کو امت کی مرضی پر نہیں چھوڑا جاسکتا - چنانچہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو امام مقرر کیا اور ان کے بعد ہر امام اپنا جانشین مقرر کرتا رہا - ائمہ کے تعین اور تعداد پر بعد میں شیعوں میں اختلاف رونما ہوا - اثنا عشریہ کے نزدیک حضرت علیؓ پہلے امام تھے اور آخری امام آل فاطمہ میں سے محمد بن حسن العسکری ہیں جو ۲۶۵ھ میں غائب ہوگئے اور ان کی واپسی کا انتظار ہے - ان کی غیبت میں مؤمنین کے اقتدار کے مالک جو لوگ ہیں وہ صرف نظم و نسق کے ذمہ دار ہیں - سبعیہ سات اماموں کو مانتے ہیں، ان کے نزدیک چھٹے امام جعفر الصادق کے بعد اسماعیل امام ہوئے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق نے اسماعیل کی نامزدگی منسوخ کرکے موسی الکاظم کو امام بنایا تھا - سبعیہ کے نزدیک امامت ہمیشہ سے موروثی ہے اور سب سے بڑے لڑکے کو ملتی ہے - سبعیہ کے امام غائب اسماعیل ہیں - زیدیہ، جو حضرت حسین کے پوتے زید کو مانتے ہیں، ان کے ہاں امامت کے لئے وراثت شرط نہیں، ان کے نزدیک امامت کے لئے علم و فضل، شجاعت شرط ہے اور ان خصوصیات کی بنیاد پر ملت شیعہ اس کا انتخاب کرے گی، نامزدگی کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور بیک وقت ایک سے زیادہ امام ہونے کو بھی وہ مانتے ہیں -

خوارج کا نظریہ خلافت

خوارج کے نزدیک امت میں سب سے بہتر فرد کو خلیفہ منتخب کیا جاسکتا تھا اور اگر اس سے کوئی فسق سرزد ہوتو امت کو معزول کرنے کا حق بھی ہے- اس نظریہ کی اصولی طور پر معتزلہ اور مرجئہ نے بھی تائید کی - خوارج بنی فاطمہ یا قریش میں خلافت کو محصور کرنے کے بھی سختی سے مخالف تھے -

الماوردی نے جس وقت کتاب الاحکام السلطانیہ لکھی اس وقت احادیث جمع اور مدون ہو چکی تھیں اور ان کی اسناد پر بحث مکمل ہو چکی تھی - انہوں نے حدیثوں کی بنیاد پر خلافت کے لئے قرشیت کو شرط قرار دیا - لیکن خوارج ایک اور حدیث کی بنیاد پر ایسی احادیث کو رد کرتے تھے- مشہور روایت ہے کہ ''اگر ایک حبشی غلام بھی سردار ہو تو اس کی اطاعت فرض ہے'' اسی طرح وہ

حکم قرآنی '' اکرمکم عنداللہ اتقاکم '' کو اپنی تائید میں پیش کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرشیت کی تائید کرنے والی روایتیں تاریخی تنقید کے متحمل نہیں ہوسکتیں۔ یہ معلوم ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار بھی دعوی خلافت میں شریک تھے اس وقت قرشیت کی شرط ایک سیاسی دانشمندی تھی۔ یہ بھی بعید از فہم ہے کہ صحیح حدیث کی خوارج مخالفت کرتے ہوں۔ مزید برآں اگر ایسی کوئی صحیح حدیث موجود ہوتی تو انصار خلافت کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو مہاجرین بھی لازماً طویل مباحث کی بجائے براہ راست حدیث پیش کرتے۔

اموی اور عباسی، قریش میں سے تھے۔ آخری عباسی خلیفہ تک خلافت کے لئے قرشیت لازمی شرط شمار ہوتی رہی۔ جب ان کے بعد خلافت عثمانی ترکوں میں منتقل ہوئی، تو اگرچہ لوگوں کو انہیں امیرالمومنین کہنے میں بے حد تامل تھا، تاہم مفتی اعظم دمشق شیخ المرادی نے امیرالمؤمنین کی اصطلاح پہلی مرتبہ ایک غیر عرب کے لئے استعمال کی۔ انہوں نے اورنگ زیب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

'' ہمارے زمانے کا سلطان ہند، امیرالمؤمنین، امام، پناہ گاہ مسلمین، ناصر حامیان دین، جس کا اس دور کے سلاطین اسلام میں اپنے تدین اور تقوی میں کوئی ہمسر نہیں ''

الغرض اس طرح مختلف ادوار سے گذرتے ہوئے خلافت کی شرط قرشیت بھی نظر انداز ہوتی گئی۔

اس سے کسی کو یہ تاثر نہ ہو کہ بعد کے ان حضرات کو کتاب و سنت سے زیادہ مواد نہ ملا جو ان کی امت کے نظام کار کو چلانے میں رہنمائی کرتا۔ اس کے برعکس یہ ایک حقیقت ہے کہ امام ابن تیمیہ جیسے متشدد حنبلی فقیہ اور اصولی نے خلیفہ کے بغیر امور ملی کی تنظیم اور تنسیق کے امکان کو تسلیم کیا ہے تو یقیناً ان کے اس استنباط کی بنیاد قرآن کریم اور سنت نبوی ہی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن و سنت میں تدبیر منزل و سیاست مدن کا بنیادی خاکہ ضرور موجود ہے جو زمانے کے تغیرات اور نظریات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ موجود چلا آرہا ہے۔ یہ خاکہ کیا ہے اور وہ بنیادی اصول کون سے ہیں۔ یہی در اصل اس بحث کا موضوع ہے۔

سب سے پہلے ہم اسلام کی اولین سیاسی تنظیم کا، جو مدینہ میں رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام نے قائم کی تھی، جائزہ لیں گے - نبی اکرم امت مسلمہ کے رہنما اور ہر شعبۂ حیات میں راہبر تھے - مؤمنین پر اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسول بھی فرض تھی - یہی نہیں - وہ نبی اکرم کے فیصلوں پر، خواہ اس سے ظاہراً ان کو کتنا ہی نقصان پہنچتا نظر آتا ہو - دل میں کدورت نہیں لاسکتے تھے - مختصراً حضور ص کی زندگی ان تمام ابدی اصولوں یا ہدایت کا زندہ نمونہ ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائے ہیں - عہد نبوی میں انتظامیہ عدلیہ اور مقننہ کی کوئی تفریق اور تقسیم نہیں تھی (۱۴) -

نبی اکرم کے بعد حضرت ابو بکر پہلے خلیفہ بنے تو یہ ساری ذمہ داریاں ان کو سونپ دی گئیں - چونکہ خلیفہ اکثر نمازوں میں امامت کرتے تھے، اس لئے انہیں امام بھی کہا گیا - اس دور میں خلیفہ کے منصب و فرائض کے متعلق جو عام خیال تھا اس کا اندازہ حضرت ابو بکر کے اس خطبے سے ہوگا جو آپ نے انتخاب کے بعد دیا - آپ نے فرمایا :

> اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک خلیفہ مقرر کیا ہے تاکہ تم میں اتحاد رہے اور تمہارے عزائم کی تکمیل ہو - اس لئے اس کام میں خلوص دل سے میرا ساتھ دو - میں کسی کو زبان سے یا ہاتھ سے ناحق ایذا نہیں پہنچاؤں گا - انشاء اللہ - میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں نے کبھی خلافت کی خواہش نہیں کی - نہ میں نے کبھی ظاہر میں یا دل میں اللہ سے اس کے لئے دعا کی -
>
> در حقیقت مجھ پر ایک بہت بھاری ذمہ داری عائد کی گئی ہے جس کی نہ مجھ میں قوت ہے نہ طاقت - میری تو خواہش تھی کہ تم میں سے جو سب سے زیادہ طاقتور ہے وہ اس منصب پر فائز ہو - اب میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک میں احکام الٰہی کی اطاعت کروں اور جب مجھ سے اللہ کی نافرمانی سرزد ہو پھر ہرگز میری اطاعت واجب نہیں - میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں اگر

ٹھیک چلوں تو میرے پیچھے چلو ' اگر غلطی کروں تو درست کردو - (۱۵)

امیر کی اطاعت کس حد تک واجب ھے اور کن امور میں یہ مشروط ھو جاتی ھے - ان مسائل پر بہت سی روایات ملتی ھیں لیکن ان روایات کی حضرت عثمان رض کے بعد کے صد سالہ دور خلافت کے تاریخی حقائق سے تطبیق آسان نہیں ھے، ان میں سے مثال کے طور پر شرط قرشیت کا ھم نے تفصیلی ذکر کردیا ھے۔ خوارج کے نزدیک ھر بالغ جو سلامت کردار کا مالک ھو ' وہ خلیفہ ھوسکتا ھے حتیٰ کہ ایک آزاد کردہ غلام، غلام کا بیٹا بھی، بلکہ خوارج کے ایک مکتب فکر شبیبیہ کے نزدیک تو ایک عورت بھی خلیفہ ھوسکتی ھے - خوارج کے ھاں عموماً خلیفہ کی اطاعت اس وقت تک واجب سمجھی جاتی تھی جب تک وہ کتاب و سنت کی متابعت کرتا ھو - خوارج کے نزدیک اگر خلیفہ سے غلطی سرزد ھوجائے تو اسے معزول کیا جاسکتا ھے بلکہ اگر موجود خلیفہ سے بہتر کوئی شخص مل جائے تو اس کو معزول کرنے کا امت کو حق حاصل ھے۔اس کے برعکس شیعوں کے نزدیک امام صادق کی معرفت میں کوتاھی سے ایک شخص ایمان سے خارج ھوجاتا ھے۔ ان تمام گوناگوں اختلافات کے بارے میں صحاح ستہ میں کثرت سے روایات ملتی ھیں -

خوارج کے نزدیک اطاعت صرف اللہ کی واجب ھے اور اگر امیر مرتکب معاصی ھو تو اس کے خلاف بغاوت کرنا، اسے معزول کرنا اور اسے سزا دینا جائز ھوگا - جس شخص سے بھی غلطی سرزد ھو اس کے لئے توبہ ضروری ھے اور عقوبت لازمی ھے - لیکن صحاح ستہ میں اطاعت امیر کے مضمون کی احادیث بکثرت وارد ھوئی ھیں۔ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاھر کیا ھے کہ اگر یہ احادیث خوارج کے زمانے میں موجود ھوتیں تو وہ یقیناً ان کی مخالفت نہ کرپاتے -

(مسلسل)

حوالہ جات

1. Lane, *Arabic English Lexicon*, (Williams & Norgate 1863) Vol, I, Book I, p. 616.

2. R. M. McIver, "*The Modern State*",
Bernard Bosanquet, "*The Philosophical theory of the State*", (MacMillan 1951).

3. *Encyclopaedia Britannica*, 1946 Ed. Vol. XXI, p. 98.

۴۔ امریکی آئین میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"We the people of the United States in order to form a more perfect union, establish justice, ensure domestic tranquality, provide for the common defence, promote the general welfare and secure the blessings of liberty to overselves and over posterity, do ordain and establish this constitution for the United States of America."

بھارت کے آئین میں یہی بات اس طرح دہرائی گئی ہے۔

"We the people of India having solemnly resolved to constitute India into a soverign Democratic Republic and to secure all its citizens, Justice—social, economic, and political ; Liberty of thought, expression, beliefs, faith and worship, Equality of status and opportunity; and to promote among them all fraternity, assuring the dignity of the individual and the unity of the nation.

پاکستان کے آئین ۱۹۶۲ کے دیباچہ میں یہ بات ایک مختلف انداز سے موجود ہے۔

"Whereas sovereignty over the entire universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority excercisable by the people within the limits prescribed by him is a sacred trust........"

۵۔ مثال کے طور پر صحابہ کے اجماع کے علی الرغم حضرت ابو بکر نے جیش اسامہ کے بھیجنے پر اصرار کیا۔

۶- شاہ معین الدین ندوی - '' تاریخ اسلام ''، (اعظم گڑھ' ۱۹۵۲) ص ۱۳۲ - طبری ' '' تاریخ الملوک و الامم '' (قاہرہ ' ۱۹۳۹) ' جلد دوم ' ص ۴۴۶ -

7. Elie Abid Salem, "*Political theory and Institutions of Khwarij*", (John Hopkins 1956) p. 56 *et passem.*

۸- ابی یعلی الفرا ' '' الاحکام السلطانیہ ''، ص ۴ -

9. Muir, "*Caliphate, its Rise and Decline*", (1963) p. 319.

۱۰- احیاء علوم الدین، جلد دوم ' ص ۱۲۴ -

11. H.A.R. Gibb, "*Islamic Society and the West*", Vol. I, p. 32.

۱۲- '' منہاج السنة ''، جلد دوم، ص ۸۶ -

13. " *Islamic Society and The West* ", p. 34.

۱۴- ''عدالت نبوی کے فیصلے'' (عبداللہ القرطبی کی عربی کتاب کا ترجمہ) دربار رسول کے فیصلے '' (اقبال اکادمی)

۱۵- ابن قتیبہ '' عیون الاخبار ''، ص ۱۶ -

٥ - [حضرت ابوبکر نے صحابہ کو قائل کرلیا تھا - اس لئے ان کی طرف سے صحابہ کی مخالفت کا سوال پیدا نہیں ہوتا - مدیر -]